مولانا محمد عبید اللہ عفیف

الاستفتاء

مکرمی، السلام علیکم۔

ترجمان الحدیث کا شمارہ نومبر ۱۹۷۴ء پیشِ نظر ہے جس کے صفحہ ۲۰ پر جناب مفتی محمد عبید اللہ صاحب عفیف نے طلاق یا خلع کی صورت میں عورت کے لئے عدت پر بحث فرماتے ہوئے بجائے تین کے صرف ایک حیض کے بعد ہی نکاحِ ثانی کو مرخص قرار دینے کے قولِ ثانی کو مرجح قرار دیا ہے۔ میں اس سلسلہ میں یہ عرض کروں گا کہ اول تو اکثریت کی رائے کے خلاف اقلیت کی رائے کو ترجیح دینا قرینِ انصاف نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دوسرا قول کہ "استبراءِ رحم کے لئے صرف ایک حیض ہی کافی ہے" تو یہ بات بطورِ یقین کے نہیں کہی جا سکتی۔ میں اس سلسلہ میں اپنا ذاتی تجربہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

جب میری بیوی کے دوسرا بچہ ہونے والا تھا تو انہیں شروع کے تین یا شاید چار ماہ تک برابر اتنی ہی مقدار میں، اتنی ہی مدت تک اور اتنی ہی کیفیت و کمیت سے حیض آتا رہا جتنا عام طور پر آتا ہے۔ حالانکہ ڈیڑھ ماہ بعد ہی ڈاکٹروں نے حمل کی تصدیق کر دی تھی اور جب اس تصدیق کے بعد پہلی مرتبہ حیض آیا تو ہم لوگ اسقاط کے اندیشہ سے بہت پریشان ہوئے اور علاج اور روک تھام کیلئے کوشش بھی کی مگر حیض اپنے معمول کے ایام کے بعد ہی بند ہوا۔ پھر غالباً چوتھے ماہ کے بعد خود ہی آنا بند ہو گیا اور پھر بچہ معمول کے مطابق نو ماہ اور کچھ دن کے بعد ہوا۔ اگر دنیا بھر کے اس قسم کے واقعات جو میڈیکل جرنلز میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان پر نظر ڈالی جائے، تو معلوم ہوگا کہ بہت سے واقعات ایسے بھی ہوئے ہیں کہ ولادت تک ہر ماہ باقاعدگی سے حیض آتا رہا

طبی توجیہ اس کی یہ ہے کہ اگر عورت میں خون کی پیداوار غیر معمولی ہے تو اس کا رجوع رحم کی طرف بھی زیادہ ہوگا اور جتنا جنین کے جسم کی تشکیل کے لئے درکار ہے وہ تو رکتا رہے گا اور باقی جمع ہوکر ہر ماہ اسی طرح خارج ہوتا رہے گا جس طرح غیر حاملہ کا ہوتا ہے۔ اس قسم کے واقعات کے مشاہدے سے (اور خود میرے گھر کے واقعہ سے) یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے کہ "استبرا رحم کے لئے ایک حیض ہی کافی ہے" لہٰذا اکثریت کی رائے جس کے بموجب تین حیض کی مدت مقرر ہے، زیادہ قرین عقل ہے کیونکہ تین ماہ کی مدت میں تو (حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو) اگر حمل ہے تو دایہ اور ڈاکٹر (بلکہ تجربہ کار دیگر گھر کی عورتوں کو بھی) معلوم ہو ہی جاتا ہے۔ اگر آپ ان سطور کو آئندہ شمارہ میں شائع فرما کر قارئین کو دعوت دیں کہ اس قسم کے واقعات جن کے علم میں ہوں وہ تحریر کریں تو آپ کو کافی شہادتیں مل جائیں گی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر ایک حیض والی رائے کو مان کر نکاح ثانی ہونے لگے تو اکثر فتنے اور فساد کی صورتیں پیدا ہو جائیں گی۔ نیاز کیش

کنور محمد اعظم علی خاں خسروی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ومنہ الصدق والصواب:

واضح ہو کہ فاضل متعاقب نے میرے فتویٰ پر دو اعتراض اٹھائے ہیں؛

۱۔ اکثریت کے مقابلہ میں اقلیت کے قول کو ترجیح دینا قرین انصاف نہیں ہے۔

۲۔ گھر کے ذاتی واقعہ کا حوالہ۔

تو ان دونوں اعتراضات کا جواب بالترتیب یہ ہے کہ شریعت محمدی کی بنیاد اکثریت اور اقلیت پر نہیں بلکہ کیفیت پر ہے۔ یعنی شریعت کی بنیاد دلائل و براہان اور نصوص قاطعہ پر ہے۔ شریعت میں یہ بات سرے سے قابل اعتبار اور درخور اعتنا نہیں ہے کہ نصوص اور دلائل پر کتنے عمل پیرا ہیں اور کتنے عمل پیرا نہیں ہے۔ سیدنا نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ باطل ہر قرن، ہر صدی اور ہر دور میں اکثریت کے جھوٹے اور بے جا پروپیگنڈے کے ساتھ حق کے سامنے دشواریاں اور روکاوٹیں کھڑی کرتا چلا آیا ہے۔ اکثریت و اقلیت کا یہ معرکہ زمانۂ قدیم سے گرم چلا آرہا ہے لیکن دنیا جانتی ہے کہ فتح حق کی ہے اور باطل کا مقدر سرنگوں ہونا ہے۔ "کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ" کا داعی نعرہ اکثریت کے سر کو پھوڑتا اور حق نواز اقلیت کے ایمان کو جلا بخشتا رہے گا۔

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں ، لا الٰہ الا اللہ!

۲ - آپ نے جو گھر کا واقعہ بتایا یا ڈاکٹری جرنلز میں ایسے اور بھی واقعات کا حوالہ دیا ہے تو اصل بات یہ ہے کہ ایسے واقعات تندرست عورتوں کے عوارض نہیں بلکہ بیمار عورتوں کے عوارض ہیں۔ خود طب کے مطابق حاملہ عورت کو جو خون آتا ہے وہ حیض کا نہیں بلکہ استحاضہ کا خون ہوتا ہے۔ حیض کا خون فم رحم سے جاری ہوتا ہے اور استحاضہ کا خون عرقِ عاذل سے نکلتا ہے۔ حیض کے خون میں نماز اور وظیفہ زوجیت ازروئے شرع منع ہے مگر استحاضہ کے خون میں نماز فرض اور وظیفہ زوجیت جائز ہوتا ہے۔ حیض کا خون سیاہ، گاڑھا اور بدبودار ہوتا ہے اور کبھی خاکستری بھی ہوتا ہے مگر استحاضہ کا خون سرخ، پتلا اور بلا بدبو کے ہوتا ہے۔ اگر بالفرض کسی حاملہ کو سچ مچ حیض آجاتا ہے تو یہ "القلیل کالمعدوم" کا حکم رکھتا ہے اور یہ شریعت پر حاوی اور قاضی نہیں ہو سکتا۔ شریعت طب کی جزئیات کی پابند ہرگز نہیں ہے علاوہ ازیں آپ کی بیان کردہ اکثریت کے اصول کے بھی خلاف ہے۔

بہرحال جہاں طب شریعت سے متصادم ہوگی وہاں شریعت کو طب کے تابع نہیں کیا جاسکتا کیونکہ طب ماہرینِ صحت کے تجارب کا نام ہے اور شریعت حامل وحی کے فرمودات سے عبارت ہے اور فلاح و فوز شریعت کی پیروی میں ہے خواہ اس فلاح و فوز کا تعلق جسم سے ہو یا روح سے۔ واللہ اعلم بالصواب!

(۲)

جناب مولانا صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مندرجہ ذیل مسئلہ شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

ایک شادی شدہ آدمی تین بچوں کا باپ جو کہ عرصہ ساڑھے چار سال سے غائب ہے اور اس کے آنے کی، رجوع کرنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ لڑکی والوں نے عدالت میں مقدمہ دائر کرا دیا اور عدالت نے لڑکی کے حق میں طلاق کا فیصلہ دے دیا، کیا شریعت کی رو سے وہ طلاق درست ہوگی یا نہیں؟

اس کے بعد کوئی شخص اس سے شادی کرنا چاہے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور اگر طلاق نہیں ہو سکتی تو لڑکی کے لئے بقایا دن گذارنے کا کیا اور کون سا راستہ ہے؟ آدمی